ماہنامہ
مجلہ
# حیاتِ نو
بلریا گنج

## حقیقی آزادی

"کسی ملک کی حقیقی آزادی کا اولین مرحلہ ذہنی وفکری آزادی ہے اور ذہنی و فکری آزادی کا آفتاب ہمیشہ تعلیم گاہوں کے مطلع سے طلوع ہوتا ہے۔ جب تک کوئی قوم اغیار کے بنائے ہوئے نظام تعلیم سے نجات پاکر اپنے معتقدات اور اپنی ضروریات کے مطابق ایک نیا نظام تعلیم استوار نہیں کر لیتی وہ سیاسی آزادی پالینے کے باوجود حقیقی آزادی سے بہرہ مند نہیں ہوتی۔ حقیقی آزادی یہ ہے کہ ایک قوم اپنی فکر، اپنے دین، اپنی ثقافت اور نظام قانون و معیشت اور اپنی زبان کو اپنے دائرہ اثر میں عروج پر لے آئے۔ اور آزادی کے اس مثبت تصور کے مطابق تشکیلِ نو پائے"

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

# ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو بلریاگنج


جلد ۱۲ | جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ اکتوبر ۱۹۹۶ء | شمارہ ۱۰


## بدل اشتراک

| | |
|---|---|
| سالانہ زرتعاون | ۵۰/۰۰ روپے |
| طلبہ کے لئے | ۳۰/۰۰ روپے |
| خصوصی زرتعاون | ۱۰۰/۰۰ روپے |
| اعزازی زرتعاون | ۱۰۰۰/۰۰ روپے |
| غیر ممالک سے زرتعاون | ۲۵ امریکی ڈالر |
| قیمت فی شمارہ | ۷/۰۰ روپے |


مدیر مسئول
طارق فارقلیط فلاحی
مدیر
محمد اسمٰعیل فلاحی


اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے


ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڈھ
فون: ۲۵۱۱۵ فون کوڈ: ۰۵۴۶۶ پن کوڈ ۲۷۶۱۲۱


([illegible])

محمد اشفاق عالم [illegible]

# نقوش حیاتِ نو


صفحہ

## ادارىہ
چھٹا اجلاس عام — محمد اسمٰعیل فلاحی — ۳

## بحث و نظر
قرآن مجید میں مذکورہ اصنام — مولانا ثناء اللہ عمری — ۱۰
نوجوانانِ ملت اور انکی ذمہ داریاں — تاج محمد صدیقی — ۱۳
ہمہ جہت شخصیت شبلی نعمانی — ایس شاہد حسن — ۱٦

## خطبات
ناظم جامعہ کا خطاب — محمد اسمٰعیل فلاحی — ۱۹

## طنز و مزاح
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی — ابو اللسان لغوی — ۲۰

## شعر و نغمہ
غزلیں — اور یس خیار، شفیع اللہ خاں راز — ۲۵

## روداد انجمن
انجمن طلبہ قدیم ایک تعارف — سکریٹری انجمن — ٦

## جامعہ کے لیل و نہار
اجلاس میں شریک ہونے والے . . . — محمد اسمٰعیل فلاحی — ۳۰
سعید اختر فلاحی امتیازی . . . — ۳۲

## حلقہ یاراں
مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی (مدیر ماہنامہ "دارالسلام") — ۳٦
کے ایم آصف اعظمی




ادارىہ — محمد اسمٰعیل فلاحی

# چھٹا اجلاس عام

جامعۃ الفلاح کے قیام کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا جو اللہ و رسول کی محبت میں سرشار ہو کر، قدیم و جدید دونوں علوم میں گہری بصیرت کے ساتھ گروہی اور مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر اللہ کی رضا کے لئے اجر آخرت کی امید پر اسلام کو غالب کرنے کا اپنے اندر داعیہ اور تڑپ رکھتے ہوں۔ اسی تڑپ کا نتیجہ ہے کہ اس کے فارغین نے اپنی ایک انجمن "انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح" بنائی ہے۔ یہ انجمن حقوق و مطالبات کی محاذ آرائی کے بجائے ذمہ داران جامعہ کا مقاصدِ جامعہ کی تکمیل میں تعاون کرتی اور ان کے منصوبوں کو روبہ عمل لانے کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ اسی محرک کے تحت وہ وقتاً فوقتاً اپنے فارغین کا اجلاس عام کر کے جامعہ کے مذکورہ مقاصد کی روشنی میں جائزہ لیتی، گرے ہوئے ساتھیوں کو اٹھانے، اور سونے والوں کو جگانے کی کوشش کرتی اور انہیں تیز سے تیز تر کرنے کے لئے فکر کرتی ہے۔ ان کی صلاحیتوں کو جلا دینے اور ان کے مسائل کو حل کرنے میں اپنا سرگرم تعاون دیتی ہے۔ اس کی کوششوں کا رخ یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف مدارس کے درمیان خلیج ختم ہو اور وہ ایک دوسرے کے علم اور تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ اسی طرح ہمارے دینی مدارس اور ہماری عصری دانش گاہیں اور ان کے علماء اور دانشور ایک دوسرے کے قریب آئیں اور ان کے درمیان فاصلے کم ہوں۔

۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو ہونے والا انجمن کا چھٹا اجلاس عام اپنے پروگرام، متعدد بین اور شرکاء کے لحاظ سے انتہائی باتوں کا عکاس ہے۔ اس میں تنظیمی نشست، انتخاب اور طلبہ جامعہ کے تعلیمی و ثقافتی مظاہرہ کے علاوہ "عصر حاضر میں علماء کی خدمات" کے موضوع پر ایک سیمینار ہوگا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اور عربی

اور اخبار نویسی، سیرت نگاری، تعلیم و تدریس، طب اسلامی، ادیان و مذاہب کا مطالعہ، فلسفۂ اسلام، تاریخ اسلامی، اسلامی معاشیات، علوم عمرانیات، تحریک آزادی ہند اور ان جیسے دوسرے ذیلی موضوعات پر یہ سمینار ایک صدی کے اندر اندر علمائے کرام کی خدمات اور ان کی کاوشوں کا جائزہ لے گا۔ اس سمینار کا ایک اجلاس مختلف اسلامی علوم میں عالم اسلام کی خدمات کے لئے مخصوص ہے۔ ملک اور بیرون ملک کی مقتدر شخصیات، اکابر اہل علم، دینیہ کے علماء اور دینی اور ملی تنظیموں کے قائدین شریک سمینار ہوں گے۔ مختلف میدانوں میں علماء کرام کی وقیع خدمات ہیں جنہیں ہم بھلا نہیں سکتے۔ اس سمینار سے امید کی جاتی ہے کہ علماء کرام کی شاندار کارکردگی پر غور کرنے کا موقع ہاتھ آئے گا اور یہ بات نکھر کر سامنے آئے گی کہ ہم ابھی رجال سے خالی نہیں ہوئے اور اس دور اخیر میں بھی ہمارے یہاں ایک سے بڑھ کر ایک عبقری شخصیات ہیں جن کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ہمارے طلبہ، علماء اور دانشورانِ ملت سبھی کو حوصلہ ملے گا اور ان کے سامنے یہ بات بھی آئے گی کہ ابھی کس کس میدان میں کن کن سے پہلوؤں سے کام کی ضرورت ہے اور انہیں اپنی صلاحیتیں کہاں لگانی چاہئیں، تاکہ ان کی شاندار روایات کے لئے مفید خدمات کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے اور انکی تاریخ جگمگاتی رہے۔ انجمن طلبۂ قدیم اس کے قبل بھی "دینی مدارس اور ان کے مسائل" اور "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" کے موضوعات پر دو کامیاب سمینار کر چکی ہے، جو اہل علم اور اہل نظر سے خراج تحسین پا چکے ہیں۔

اس اجلاس میں ایک خطاب عام بھی ہوگا جس میں موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لائحہ عمل سے متعلق امور پر جید علماء، اور مفکرین روشنی ڈالیں گے۔ اسی موقع سے ایک ادبی نشست کا بھی اہتمام ہوگا۔ جس میں ملک گیر شہرت رکھنے والے اسلام پسند ادباء اور شعراء نے اپنی تازہ تخلیقات کے ساتھ شرکت کی اطلاع دے رکھی ہے۔ توقع ہے کہ یہ نشست شائقین ادب اسلامی کیلئے نہایت ہی حوصلہ افزا ثابت ہوگی



جامعۃ الفلاح میں طالبات کی کثرت اور موجودہ ہاسٹل میں جگہ کی قلت کی بنا پر طالبات کو بہت سادی دشواریوں کا سامنا ہے، اسی طرح انجمن طلبۂ قدیم بھی کاموں اور دفتری مختلف طرح کی دقتوں سے دوچار ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس موقع سے جہاں پانچ سو طالبات کے لئے ایک نئے ہاسٹل کا افتتاح عمل میں آئے گا، وہیں انجمن ہاؤس کا سنگ بنیاد بھی رکھا جائے گا۔ ذمہ دارانِ جامعہ نے انجمن ہاؤس کیلئے جگہ کی منظوری دے دی ہے۔

ایک لمبے عرصہ سے یہاں سے طالبات کی فراغت کا سلسلہ جاری ہے اور اب وہ بڑی تعداد میں ملک کے مختلف گوشوں میں حسب استطاعت و توفیق تعمیر معاشرہ کے کاموں میں لگی ہوئی ہیں۔ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ انہیں منظم کیا جائے۔ اس لئے اس موقع سے انجمن طالبات قدیم کی باقاعدہ تشکیل کے ساتھ ان کے علیٰحدہ پروگرام ہونگے اور "تعمیر معاشرہ اور خواتین" کے عنوان سے ایک سمینار بھی ہوگا۔ جس میں ملک بھر سے ممتاز خواتین حصہ لیں گی۔

آتش فشاں پہاڑ سے چشمے ابل پڑیں — پانی کے بلبلوں سے بھی شعلے نکل پڑیں
اک ایسا انقلاب اگر لا سکے تو لا — کوہ دجبل مچل کے ترے ساتھ چل پڑیں

---

بقیہ: حیا نہیں ہے . . . .

قصہ کوتاہ عروس البلاد کو سمجھنے کے لئے ایک عمر درکار ہے۔ کالم بھی ضرورت سے زیادہ لمبا ہو گیا ہے ورنہ مزید کچھ تعارفی باتیں رقم کی جاتیں — کہ شہر بھی نرالا ہے اور اس کا مزاج بھی بقول کسے ؎

کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے — یہ نئے مزاج کا شہر ہے یہاں فاصلے سے ملا کرو

اچھا اب اجازت۔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔ — نغوی زندہ صحبت باقی۔

# انجمن طلبۂ قدیم

(مرکزی انجمن)

## ایک تعارف

جامعۃ الفلاح جن اعلیٰ و ارفع اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے قائم کیا گیا ہے وہ اب محتاجِ تعارف نہیں رہے۔ انہی اغراض کو منظم طور پر حاصل کرنے کیلئے یہاں کے فارغین کی ایک انجمن "انجمن طلبہ قدیم" کے نام سے ۱۲ نومبر ۱۹۷۷ء کو قائم کی گئی۔ تاکہ انکی آواز میں وزن اور اعتماد پیدا ہو سکے اور اعلیٰ پیمانے پر وہ یہ فریضہ انجام دے سکیں۔ آغازِ کار ہی میں جناب مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی مرحوم کے زیرِ نگرانی اس کا دستور مرتب کیا گیا تھا اور برابر یہ قافلہ انکی رہنمائی میں جانبِ منزل رواں دواں رہا۔ اس انجمن نے شروع ہی سے اپنے اغراض و مقاصد واضح طور پر متعین کر لئے تھے جو درج ذیل ہیں۔

### اغراض و مقاصد

(۱) فارغین جامعہ کو مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے منظم کرنا۔

(۲) انکی صلاحیتوں کو ان مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور مؤثر بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

(۳) جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ذمہ دارانِ جامعہ کے ساتھ تعاون کرنا۔

(۴) مقاصد جامعہ کے حصول کے لئے دیگر دینی و تعلیمی اداروں سے ربط رکھنا ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

### طریقۂ کار

یہ بھی طے کر لیا تھا کہ مندرجہ بالا مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل طریقے اختیار کئے جائیں گے۔

(الف) تمام فارغین سے ربط رکھنا، ان کے مسائل سے آگاہی حاصل کرنا اور انہیں حل کرنے کی کوشش کرنا۔

(ب) وقتاً فوقتاً فارغین جامعہ کا عام اجلاس منعقد کرنا۔

(ج) مقاصدِ انجمن کے لئے نشر و اشاعت کے ممکنہ ذرائع اختیار کرنا۔

اس روشنی میں الحمد للہ ــــ انجمن اپنے قیام کے بعد ہی سے مسلسل ان مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں ہے۔ جہاں جہاں طلبۂ قدیم معتد بہ تعداد میں ہیں وہاں اس کی یونٹیں بھی قائم ہیں جو منظم انداز میں ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنے اپنے مقامات پر کوشاں ہیں۔

اب تک اپنی بے بضاعتی کے باوجود انجمن جو کچھ کرنے میں کامیاب ہو سکی ہے" اس کی ایک جھلک یوں ہے۔

### "حیاتِ نو" کا اجراء

جس کا مقصود یہ ہے کہ مقاصد جامعہ کا تعارف کرایا جائے۔ طلبۂ قدیم کی علمی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جائے طلبہ قدیم اور طلبہ کو تعلیمی رہنمائی فراہم کی جائے۔ طلبۂ قدیم اور طلبہ کے سرپرستوں سے رابطہ کا ذریعہ بن سکے اور دینی مدارس کے مابین توافق و تعاون پیدا کرنے میں معاون ہو سکے۔

الحمد للہ کسی نہ کسی درجے میں ہمیں یہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں اور تمام مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ہم برابر اسے جاری رکھے ہوئے ہیں اور خسارے کے باوجود تقریباً دو سو مدارس کو اعزازی طور پر روانہ کر رہے ہیں۔

### وظائف

طلبۂ قدیم کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مستقل وظائف دیئے جاتے ہیں۔ اس وقت بھی کئی طلبہ کو وظائف فراہم کئے جا رہے ہیں، اسی طرح وقتی ضرورتوں کے لئے بھی مختلف قسم کا تعاون انہیں فراہم کیا جاتا ہے۔

### جامعہ کی تعمیر و ترقی

ذمہ دارانِ جامعہ کو مسلسل عملی تعاون دیا جاتا ہے۔ اب تک درج ذیل پہلوؤں سے یہ تعاون فراہم کیا گیا ہے۔

(الف) جامعہ کا ماسٹر پلاننگ تیار کرایا گیا اور اس کی تکمیل کیلئے وسائل کے حصول کی

کوشش کی گئی تھی اہم منصوبے انجمن کی کوششوں سے عملی جامہ پہن چکے ہیں اور کئی منصوبے زیر تکمیل ہیں۔

(ب) طالبات کی لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔

(ج) جامعہ، طلبہ، طالبات کی لائبریریوں کے لئے کتابیں اور الماریاں فراہم کی گئیں۔

(د) ہر سال تعلیم میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات دیئے جاتے ہیں۔

(ہ) طلبہ کی علمی صلاحیتوں کی نشو ونما کے لئے انکے مقابلے کرائے جاتے ہیں۔

(و) مطبخ میں طلبہ کے بیٹھنے کیلئے میزوں اور بنچوں کا نظم کیا گیا۔

(ز) طلبہ کے لئے کیمپس میں کینٹین قائم کی گئی۔

(ح) طلبۂ جامعہ کو تعلیمی وظائف دیئے جاتے ہیں اور انکی فوری ضروریات کی بھی تکمیل کی جاتی ہے۔

(ط) طالبات کی آمد ورفت کی پریشانیاں حل کرنے کے لئے انجمن نے متعدد بسوں کی فراہمی کی کوشش کی۔

(ک) انجمن کے تعاون سے کلاس روم میں پنکھے لگوائے گئے۔

(ل) جمعیۃ الطلبہ اور جمعیۃ الطالبات جامعۃ الفلاح کا تعاون کیا گیا مالی بھی اور کتابوں کی شکل میں بھی۔

(م) انجمن طالبات قدیم جامعۃ الفلاح کا قیام۔

(ن) طلبہ جامعہ کی طبی امداد۔

(ی) مختلف یونیورسٹیوں سے جامعہ کا الحاق کرانے کی سعی کی گئی، نیز اس سلسلے میں مزید کوششیں جاری ہیں۔

**سمینار** فروری ۱۹۸۶ء میں کنونشن کے موقع پر ایک سمینار بعنوان "دینی مدارس کے مسائل اور ان کا حل" منعقد کیا گیا تھا۔ الحمدللہ اس میں بیش قیمت مقالے پیش کئے گئے تھے جسے ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح کی جانب سے کتابی شکل میں



طبع کرایا گیا اور تقریباً سوا دو سو دینی مدارس کو بغرض استفادہ ھدیۃً انجمن کی جانب سے روانہ کیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں کنونشن کے موقع پر ایک دوسرا سمینار بعنوان "ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس" منعقد کیا گیا جسمیں اہم نمائندہ دینی مدارس کے ذمہ داران اور دانشوران شریک ہوئے۔ اس میں پیش کردہ مقالات کا مجموعہ بھی زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔

**منصوبے** آئندہ فوری توجہ کے کچھ منصوبے بھی انجمن کے پیش نظر ہیں۔ (۱) طلبۂ قدیم کی علمی کاوشوں کی اشاعت۔ (۲) ٹیکنیکل ٹریننگ کا نظم۔ (۳) حاجت مند اور نادار طلبہ کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک مستقل فنڈ جو "صندوق الخیر" کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ اسکو مستحکم کرنا۔ (۴) مولانا جلیل احسن ندوی کے ادھورے کاموں کی تکمیل کا نظم۔ (۵) انجمن ہاؤس کی تعمیر۔ (۶) مدارس عربیہ کے طلبہ کے درمیان علمی وثقافتی تبادلہ۔

**تاثرات** "انجمن طلبۂ قدیم ایک متحرک اور باعزم تنظیم ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے یہ اندازہ کر کے خاصا اطمینان ہو رہا ہے کہ افق پر کرنیں ابھرتی جارہی ہیں۔ خدا کرے یہ کرنیں بلند سے بلند تر اور روشن سے روشن تر ہوتی جائیں۔" (مولانا صدر الدین اصلاحی)

میری معلومات کی حد تک آپ کی انجمن طلبۂ قدیم شاید واحد انجمن ہے جو مستقل پروگرام رکھتی ہے، مادر علمی سے قلبی تعلق رکھتی ہے، وہاں کے ذمہ داروں کے خلاف محاذ بنانے کے بجائے تعاون کرتی ہے۔ اپنے پیش رو ہیں رو ساتھیوں سے کی خبر گیری کرتی اور ممکن تعاون کرتی ہے۔ یہ میرے ہی لئے نہیں، ہر اس شخص کے لئے جو جامعہ سے قلبی لگاؤ رکھتا ہے انتہائی خوشی کی بات ہے کہ آپ کی انجمن ایک فعال، متحرک اور سرگرم انجمن ہے۔

(مولانا محمد شہباز اصلاحی)

استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

# قرآن مجید میں مذکورہ اصنام

مولانا ثناء اللہ عمری ——— ترجمہ نازش احتشام اعظمی

قرآن مجید کے پڑھنے اور اس پر غور کرنیوالے پر یہ مخفی نہیں ہے کہ اس کتاب حکیم نے بعض ایسے بتوں کا ذکر کیا ہے جو مختلف ملکوں اور قوموں میں مختلف اوقات تما پوجے جاتے تھے۔ اور ان کی پرستش کی مذمت کی ہے، اور بہت سی آیتوں میں ان پر نکیر کرتے ہوئے واشگاف انداز میں یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کی پرستش کھلا ہوا شرک ہے۔ اور یہ سراسر توحید کے منافی ہے، جو انبیاء علیہم السلام کی ان تعلیمات کی اصل واساس ہے۔ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو اطراف عالم میں مبعوث فرمایا تھا۔

اس مختصر مقالے میں ہم ان تمام بتوں کے نام شمار کرانا چاہتے ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے، تاکہ بیک نظر انکی تعداد زمانہ اور ان کے سامنے جھکنے والے لوگوں کا علم ہو جائے۔

ابتدا ہم سورہ نوح سے کرتے ہیں کیونکہ نوح عم کا شمار کبار انبیاء میں ہوتا ہے نیز آدم کے بعد آپ ہی کا نمبر آتا ہے اس کی دو آیتوں میں قوم نوح کے پانچ بتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا"۔

(نوح: ۲۳—۲۴)

استاد عبدالجلیل عیسیٰ لکھتے ہیں۔ ابن جریر نے روایت کی ہے کہ یہ پانچوں بت، ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر ایسے صالح لوگوں کے نام ہیں جو حضرت آدم، نوح کے درمیان واقع ادوار میں پیدا ہوئے۔ جب انکی وفات ہو گئی۔ تو شیطان نے انکے



متبعین کے دلوں میں خوبصورت طریقے سے یہ بات ڈال دی کہ انکی عبادت کیلئے انکی قبروں پر عمارت بنائیں، اور یادگاری مجسمے بنا کر نصب کریں، ایک مدت کے بعد ان کو خیال ہوا کہ ہمارے آبا و اجداد انکی پرستش اس لئے کرتے تھے کہ وہ انکو خدا کے قریب کر دیں گے، چنانچہ انہوں نے انکو اپنا سفارشی مان لیا تھا۔

استاد عبداللہ یوسف علی اپنی انگریزی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ تمام اصنام الگ الگ اسٹیچو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو کسی نہ کسی انسان یا حیوانی قوت کی نمائندگی کرتے ہیں جیسے

| بت کا نام | مجسمہ | طاقت |
| --- | --- | --- |
| ۱۔ ود | مرد | قوت مردانگی کا مظہر |
| ۲۔ سواع | عورت | تبدیلی اور حسن کا مظہر |
| ۳۔ یغوث | شیر یا بیل | حیوانی طاقت کا مظہر |
| ۴۔ یعوق | گھوڑا | سرعت کا مظہر |
| ۵۔ نسر | شکرہ | تیز نگاہی کا مظہر |

حضرت نوح کے بعد دوسرے نمبر پہ حضرت الیاس عم کا ذکر کرتے ہیں۔ دیکھئے سورہ صفات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ اللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ) (الصافات: ۱۲۳—۱۲۶)

ان آیات میں بعل حضرت الیاس کی قوم کے بت کا نام ہے جو سونے کا بنا تھا۔ اور اسی بت کے نام سے ایک شہر کا نام بعلبک پڑا۔ جیسا کہ صاحب تفسیر جلالین نے صراحت کی ہے ایک قول یہ ہے کہ حمیر اور ازد شنوءۃ کی زبان میں بعل رب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

استاد عبداللہ یوسف علی کے مطابق یہ:

ایک سورج دیوتا (SUN GOD) تھا جسکی پرستش خیر کی پرستش کی طرح حضر

مسیح سے پہلے کیجاتی تھی۔ حقیقت جو بھی ہو۔ بہرحال "بعل" کو لیکر کل چھ بتوں کا ذکر اب تک کیا گیا۔ تیسرے نمبر پہ سورہ نجم دیکھئے سورہ نجم میں فرمایا گیا۔

(أَفَرَءَيْتُمُ اللَّٰتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَوٰةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ) (سورۃ النجم: ۱۹-۲۰)

قرآن مجید نے یہاں لات، عزیٰ اور منات کا ذکر کیا ہے، تینوں پتھر کے بنے ہوئے بت تھے۔ جنکو عرب کے مشرک پوجتے تھے۔ اور ان کا یہ گمان تھا کہ یہ بعض فرشتوں کی تصویریں ہیں، اور یہ خدا کے یہاں ان کی سفارش کریں گے۔ "ڈاکٹر عبداللہ یوسف علی فرماتے ہیں۔

لات انسانی شکل کا، عزیٰ ایک بابرکت درخت کی شکل کا اور منات ایک سفید پتھر کی شکل کا تھا۔ یہ سب کے سب خدا کی نسوانی صورت مانے جاتے ہیں، نعوذ باللہ من ذالک، آخری اور دسواں بت وہ ہے جس کا ذکر سورہ نجم میں آیا ہے"

صاحب جلالین شعریٰ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

شعریٰ ایک ستارہ ہے جو جوزا ستارہ کے پیچھے ہے، دور جاہلیت میں اسکی پرستش ہوتی تھی۔

استاد عبدالجلیل عیسیٰ لکھتے ہیں۔

شعریٰ ایک عظیم اور نہایت گرم ستارہ ہے جو زمین سے سورج کی دوری سے بھی نصف ملین دوری پر ہے اگر یہ سورج کی جگہ ہوتا تو زمین پر زندگی اور پانی کا وجود نہ ہوتا۔ بنا بریں بعض عرب اس کی پرستش کرتے تھے۔

ان بتوں کے علاوہ ایک اور بت کا ذکر قرآن میں ملتا ہے۔ وہ بچھڑا ہے۔ جس کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے لیکن یہ دیگر بتوں کی طرح کسی خاص چیز کا نام نہیں یہ ایک الگ مطالعہ کا موضوع ہے اس لئے ہم اس مقالے کو یہیں اس شعر پر ختم کرتے ہیں

ارب یبول الثعلبان برأسه لقد ذل من بالت علیه الثعالب

## حواشی

بقیہ صفحہ ۳۲ پر



تاج محمد صدیقی، فیض آباد

# نوجوانان ملت اور ان کی ذمہ داریاں

کسی قوم وملت کے جوان اسکی اساسی حیثیت کے مالک ہوتے ہیں اور ان کی قیمت گراں ہوتی ہے۔ جس ملت کا جوان بیدار، اخلاق و کردار کی پونجی سے مالامال، علوم وفنون کے زیور سے آراستہ، شیوۂ جفاکشی کا شائق، ملت کے مقاصد سے باخبر اور کنبے اور معاشرے میں دین کے قیام کا شیدائی ہو ایسی ملت ہمیشہ غالب وکامران رہتی ہے کیونکہ اس کے جوانوں کی خودی صورت شمشیر ہوتی ہے اس کے ہاتھوں باطل کا مٹنا یقینی ہوتا ہے۔ اس طرح ان جوانوں کے ہاتھوں ملت برابر پروان چڑھتی رہتی ہے اور فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کا فریضہ انجام پاتا رہتا ہے۔

آج یہ دنیا کوہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی ہے۔ اس کی بدبختی کے جہاں بہت سے اسباب ہیں وہاں ایک بہت بڑا اور اہم سبب یہ بھی ہے کہ مسلمان دنیا کے سین سے ہٹ گیا ہے اور دنیا کو دیگر اقوام کے حوالے کر چکا ہے فریضۂ خلافت (جو مسلمانوں کا اصل فرض منصبی ہے) کو بھلا چکا ہے۔ میں اس مضمون کے ذریعے جوانان ملت اسلامیہ کو دعوت فکر دینا چاہتا ہوں کہ وہ ملت کے مقاصد کے نگہبان بن جائیں اور اس عظیم مقصد کے لئے انہیں مطلوبہ معیار پر بنیادی اوصاف سے متصف ہونا چاہیے۔ ملت اسلامیہ کے جوانوں کے سامنے صرف تین راستے ہیں۔

۱۔ سیکولر اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی روش کو اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ روشن خیال اور رواداری ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے زندگی گذارنا اور اکثریتی فرقے میں ضم ہوتے چلے جانا۔

۲۔ مسلم قوم پرستی کا راستہ اپنانا اپنے مفاد کی خاطر جد وجہد کرنا اور اسمیں مٹتے چلے جانا۔

۲۔ زندگی اور معاشرے میں دین کے قیام کی کوشش کرنا بلکہ اپنے کو غلبۂ دین کے لئے وقف کر دینا جس کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو۔

میری سمجھ سے یہی میرا راستہ ہی کامیابی کا راستہ ہے۔ اس راستے میں کی جانے والی ادنیٰ سے ادنیٰ کوشش بھی ناکام نہیں کہی جا سکتی۔ اس راستے کی ایک ایک سانس کامیاب ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اللہ رب العزت کے سامنے سرخروئی کی ضامن بھی۔ اس سلسلے میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اپنے ملت کے جوانوں کی ذمہ داریوں کو یاد دلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

**۱۔ تعلیم کا میدان**

ایک زمانہ تھا کہ مسلمانوں نے ساری دنیا پر احسان کیا دنیا کے سامنے مختلف قسم کے علوم و فنون کے دروازے کھول دیئے زندگی کا شعور عطا کیا اور تہذیب کی روشنی سے دنیا کو منور کیا جس کا فیض آج بھی دنیا میں جاری ہے لیکن بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج کا مسلمان دست زیریں کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ پیراسائٹ (PARASITE) کہنا بہتر ہوگا۔ یہ کوئی زندگی کا طریقہ نہیں ہے۔ نوجوانوں سے میری اپیل ہے کہ وہ علوم و فنون کے سبھی خزانوں پر بڑھ کر قبضہ کر لیں۔ علم تو مسلمانوں ہی کی میراث ہے۔ ہمیں تو علم الہدیٰ کی روشنی میں علم الاشیاء کے سبھی خزانوں کو اپنے قبضے میں کر لینا چاہئے جب ساری دنیا سو گئے تو انہیں اپنی کتابوں میں مستغرق رہنا چاہئے۔

اور اس دنیا کی تعمیر و ترقی میں نہ صرف یہ کہ برابر کا حصہ دار ہونا چاہئے بلکہ دیگر اقوام پر سبقت لے جانے کا عزم رکھنا چاہئے۔ اس دنیا میں باوقار اور آبرومندانہ زندگی بھی گذاری جا سکتی ہے جب اس دنیا کی تعمیر و ترقی میں ہمارا بھرپور حصہ ہو ورنہ کاسۂ گدائی لئے ہوئے دوسروں کا دست نگر بن کر صرف ذلت ہی ہاتھ آ سکتی ہے آج ہماری حالت یہ ہے کہ علوم عصریہ کو باطل کہہ کر ہم نے



ایجاد و تحقیق کا میدان دوسروں کے لئے چھوڑ دیا۔ اور علم کو دین و دنیا کے دو خانوں میں بانٹ دیا جب کہ یہ بٹوارہ ارباب کلیسا کی چیز ہے۔ اسلام نے کبھی علم کو بانٹا نہیں اور علم بنٹ بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اسی زمین پر خلافت کا قیام سب پر فرض ہے اسلام تو صرف اتنی پابندی چاہتا ہے کہ علم الاشیاء کو علم الہدیٰ کی روشنی میں حاصل کیا جائے۔

**۲۔ معیشت کا میدان**

اس میدان میں مسلمان پچھڑتا چلا جا رہا ہے حکومت نے منصوبہ بند طریقے سے مسلمانوں کو اس میدان میں پیچھے کرنے کی کوشش کی۔ نوکریوں سے محروم رکھا بزنس و صنعت کے لائسنس نہیں دیئے جسکی وجہ سے ہمارے نوجوان یاس و قنوطیت کا شکار ہو کر حوصلہ کھو بیٹھے نتیجہ یہ نکلا کہ معیشت کے میدان میں دن بہ دن حالت ابتر ہوتی چلی جا رہی ہے اس وقت مسلمانوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ صنعت و حرفت اور دوسرے قسم کے ٹیکنیکل علوم کو حاصل کر کے جس حد تک ممکن ہو، اپنی بگڑی ہوئی معیشت کو بہتر بنانے کی سعی کریں معیشت کی کمزوری دین و اخلاق کو متاثر کرتی ہے ایک تہی دست بھوکا آدمی سب سے پہلے بازار میں جس چیز کو نیلام کرتا ہے وہ اس کا ایمان و اخلاق ہوتا ہے معیشت کی کمزوری کی بنا پر نہ ہم تعلیم کے شعبے میں ترقی کر سکتے ہیں نہ ہمارا معیارِ حیات بلند ہو سکتا ہے اور نہ ہی دین کے بہت سے تقاضوں کی تکمیل ہو سکتی ہے اس لئے میں اپنے نوجوانوں سے پرخلوص اپیل کرتا ہوں کہ وہ شیوۂ جفاکشی کو اپنائیں اور اپنی معیشت کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے بھرپور سعی و جہد کریں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

دنیا نہیں مردانِ جفاکش کیلئے تنگ۔

اگر ہمارے نوجوانانِ ملت میں ان دونوں شعبوں کو سنبھالنے کی آمادگی پیدا ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم پھر اپنی دنیا آپ پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور پھر نہ صرف اپنا بلکہ تمام اقوام عالم کے دکھوں کا مداوا بن سکتے ہیں۔

از: ایس شاہد حسن
انجمن اسلام گروپ آف انسٹی ٹیوشن
بمبئی ۸

# ہمہ جہت شخصیت شبلی نعمانی

۱۸۵۷ء کا دور ہندوستانی تاریخ کے لئے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

یہ وہ دور تھا جب زندگی کے تمام شعبوں میں خواہ سیاسی سماجی یا معاشی ہوں ایک تبدیلی آرہی تھی۔ اس دور میں بہت ہی اہم شخصیات وجود میں آئیں۔ مثلاً سر سید احمد خان، حالی، نذیر احمد، اور مولانا شبلی وغیرہ لیکن سرسید کے ان رفقاء میں شبلی نعمانی کا اپنا ایک مقام تھا۔ افسوس کہ آجکل اس مشینی دور میں پتا نہیں کیوں اس طرح کی اہم شخصیات جنم نہیں لے رہی ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی بحیثیت مورخ اسلام جانے گئے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو اس کے علاوہ بحیثیت مفکر اور بحیثیت ادیب و شاعر بھی ان کا مقام بلند ہے۔ انہوں نے اردو ادب کے لئے "سوانح عمری" جیسی صنف ادب کا راستہ ہموار کیا۔ ان کی تصنیف کردہ کتابیں اہم کی جماعتوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔

حالانکہ مولانا اعظم گڑھ ضلع کے ایک گاؤں بندول کے رہنے والے تھے لیکن شوق و جذبہ علم کی پیاس بجھانے کے لئے انہوں نے دور دراز بیرون ملک کا سفر کیا۔ مثلاً الفاروق کے سلسلے میں ہندوستان کے کتب خانے کافی نہ ہوئے تو مجبوراً انہوں نے مصر، شام اور قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ وہاں جاکر انہوں نے تکالیف اور پریشانیاں بخوشی برداشت کیں۔ وہاں رہ کر مولانا موصوف نے قدیم ترین کتابوں کا مطالعہ کیا۔ وہ روزانہ فرائض کی ادائگی کے لئے تین چار میل کی مسافت طے کرتے تھے۔ مولانا خود "الفاروق" کے دیباچے میں لکھتے ہیں...... "ادھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رک گیا اور اس کی بجائے دوسرے کام چھڑ گئے۔"

مولانا شبلی نعمانی کی مندرجہ ذیل تصانیف میں سے عام طور سے "الفاروق" اور سیرۃ



النبی کو زیادہ شہرت ملی۔

(۱) المامون، (۲) سیرۃ النعمان، (۳) سفرنامہ (۴) رسائل شبلی (۵) الفاروق (۶) الغزالی (۷) علم الکلام (۸) سوانح مولانا ئے روم (۹) موازنہ انیس و دبیر (۱۰) شعر العجم (۱۱) سیرۃ النبی

علامہ شبلی نعمانیؒ کی مندرجہ بالا تصانیف میں سے "سیرۃ النبی" نے اتنی شہرت پائی کہ دوسری زبانوں میں اسکے تراجم ہوئے۔ اسلام کے تئیں یہ علامہ کا عظیم کارنامہ ہے دونوں گویا لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر گئے۔ یعنی دونوں کو ایک دوسرے سے تقویت پہنچی دراصل مولانا شبلی کو آپؐ سے بڑی شیفتگی تھی۔ یہاں تک کہ جب علی گڑھ آکر پروفیسری کے دوران انہوں نے نئے طریقے سے لکھنا شروع کیا تو "بدر الاسلام" کے نام سے سیرۃ نبوی پر ایک رسالہ لکھا۔ موصوف کے ذہن میں سوانح سے متعلق معیار بہت بلند رہا ہے۔ اس لئے وہ خود فرماتے ہیں....

"سوانح عمری ایسی لکھنی چاہئے جس سے صاحب سوانح کا پایہ اونچا نظر آئے لیکن ہم مسلمانوں کے دلوں میں سرور کائناتؐ کی عقیدت کا پایا اتنا اونچا ہے کہ کوئی کتاب اس کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتی اس لئے سیرت کی کوئی کتاب مشکل ہی سے معیار پر پوری اتر سکتی ہے"

اس کے علاوہ مولانا شبلیؒ کا یہ خیال تھا کہ اردو میں سیرتؐ پر مستند کتاب نہیں ہے اگرچہ انگریزی میں ہے لیکن ان میں تعصب کی رنگ آمیزیاں ہیں یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک کے مصنفین کے اعتراضات اور نازیبا تحریروں کی علامہ شبلی نے تردید کی۔ اور پھر مکمل طور سے ارادہ کر لیا کہ سیرتؐ پر ایک کتاب تحریر کی جائے۔ حالانکہ کام بڑا تھا اور صحت بھی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اس دوران زیادہ تر علالت اور بعد میں وفات کی وجہ سے "سیرۃ النبی" کا کام نامکمل رہ گیا جسے بعد میں ان کے لائق اور فاضل شاگرد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے پورا کیا۔

جہاں تک اردو ادب کا سوال ہے، شبلی نے نثر کو ایک طرح سے باثروت بنانے

میں مدوح کی شبلیؒ شاعری بھی کی۔ انہوں نے چھوٹی چھوٹی قومی، ملی نظمیں لکھیں۔ تاریخ نگاری کو علاّ موصوف فلسفہ کا ایک شعبہ مانتے ہیں اس کے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں۔ تاریخ لکھنے کے لئے بھی ایک خاص اسلوب کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسمیں محض انشا پردازی ہی کافی نہیں ہے، "شعر العجم" لکھ کر شبلیؒ نے فن شاعری اور شعرائے عجم سے متعلق بہترین معلومات فراہم کیں یہ کتاب پانچ جلدوں میں ہے جس میں شاعری کی تعریف، بلاغت، فصاحت سے متعلق تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

مولانا شبلی نعمانیؒ مذہب اسلام اور اس کے قوانین کے تئیں بہت ہی فکرمند تھے۔ مثلاً اسلام میں اوقاف کا مسئلہ۔ اس وقت بھی اپنے ملک کے اسلامی اوقاف کی حالت اچھی نہ تھی۔ اس کے حل کے لئے مضطرب رہا کرتے تھے۔ اس کی بازیابی کیلئے تحریک چلائی اور کمیٹیاں قائم کیں آخر میں مولانا نے قدیم اور جدید علوم سے متعلق اپنا نقطۂ نگاہ ان الفاظ میں ظاہر فرمادیا ـــــ

"میری ہرگز یہ رائے نہیں کہ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے ہٹاکر عربی کی طرف متوجہ کیا جائے۔ ایسا کرنا بے شبہ قوم کے ساتھ دشمنی ہے لیکن اس بحث میں خواہ مخواہ علوم عربیہ کی تحقیر... نہایت ظلم اور ناانصافی ہے۔"

(حوالہ:۔ ڈاکٹر شیخ عبدالرحیم کی کتاب "شبلی کے مقالات کا تنقیدی جائزہ")

---

بقیہ:۔ حلقہ یاراں

ممکن نہیں۔

اجازت مطلوب ہے۔ اساتذہ کرام، احباب نیز ذمہ داران انجمن کو سلام سنائیں اور یقین دلائیں کہ کنونشن کے تعلق سے ہم ہر طرح کی خدمت اور تعاون کیلئے تیار ہیں۔

والسلام
کے۔ ایم۔ آصف اعظمی
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ



# ناظم جامعہ کا خطاب

محمد اسمٰعیل فلاحی

مولانا جلال الدین عمری صاحب ناظم جامعہ نے ۲۳ ر ۲ ۱۹۹۴ء کو شعبۂ اعلیٰ کے اساتذہ سے خطاب فرمایا تھا۔ افادہ عام کی غرض سے اس کی تلخیص پیش خدمت ہے۔

محترم اساتذہ کرام : جامعۃ الفلاح

کے قیام کا مقصد اس کے دستور میں درج ہے۔ آپ نے اس کا مطالعہ فرمایا ہوگا اور یہ مقصد آپ کے سامنے رہتا ہوگا۔ اتنا جامع اور وسیع الاطراف مقصد کسی اور دینی درسگاہ کا نہیں ملے گا۔ یہ جامعہ دراصل تحریک اسلامی کے فکر کا ترجمان ہے، وہ تحریک اسلامی جس کی پشت پر وسیع لٹریچر ہے جس کے سامنے ایک واضح منزل اور جس کی ایک لمبی تاریخ ہے، یہ ادارہ اسی لئے قائم ہوا ہے کہ یہاں سے وہ افراد ابھریں گے جو اس تحریک کے دست و بازو اور اس کا پرچم بلند کرنے والے ہوں گے۔ اس پہلو سے اس مقصد کیلئے کوئی عربی دینی درسگاہ کام کرتی نظر نہیں آتی۔ یہ مقصد آپ کی نگاہوں سے فراموش نہ ہو۔ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ وہ کاغذ جس پر یہ مقصد تحریر ہے چاک کر دیا جائے البتہ یہ ممکن ہے کہ عملاً ہم اسے فراموش کر دیں۔ یہ مجلسیں اور نشستیں اسی مقصد کی یاددہانی کیلئے ہیں کہ قرآن و حدیث کی روح ہمارے دل میں اتر جائے اور ایک اضطراب اور بے چینی کی کیفیت ہمارے دل و دماغ پر چھا جائے کہ دنیا کا نظام بدلا ہوا ہے اسے اے اللہ تیری کتاب کے مطابق کرنا ہے۔ اس کے لئے ہم بھی تیار ہیں اور اپنے بچوں کو بھی تیار کر رہے ہیں۔ اس سے بہتر کوئی کام نہیں۔ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (بخاری) یہاں ہر شخص براہ راست

یا بالواسطہ قرآن کا استاد ہے۔ اگرچہ وہ نحو وصرف پڑھاتا ہو یا عربی ادب یا کچھ اور اس لئے کہ اس کا محور قرآن ہے، ہم کو اپنے عمل سے بھی اس کا ثبوت دینا چاہئیے اور نمونہ بننا چاہئیے۔ مثلاً وقت کیسے استعمال ہوتا ہے، انسان کی زندگی میں نظم کیسے آسکتا ہے، وقت خدا کی امانت ہے، ایک ایک گھڑی کا حساب دینا ہے۔ وقت کا صحیح استعمال کرکے اور اپنی زندگی میں نظم لاکر ہی ہم اس معاملہ میں نمونہ بن سکیں گے۔ ہو سکتا ہے کوئی مضمون پڑھ کر معلوم ہو جائے لیکن عمل کی زبان زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ استاد کی زندگی ایک کتاب ہے درسی کتابوں میں وہ بہت سی باتیں نہیں مل سکتیں جو اس کتاب میں آپ کو ملیں گی۔ ماں باپ بے جا لاڈ پیار میں بچوں کو بگاڑ دیتے ہیں۔ استاد محبت اور سختی کا مجموعہ ہوتا ہے اور دونوں کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ افلاطون نے ماں باپ سے بڑھ کر اپنے استاد کو اپنا سب سے بڑا محسن بتایا ہے۔ مولانا نے فرمایا اللہ کا دین اس وقت تک غالب نہیں ہو سکتا جب تک ہم بنیان مرصوص نہ بن جائیں۔ اِنَّ اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانہم بنیان مرصوص (الصف: ) اگر ہمارے اور آپ کے درمیان فاصلہ ہوگا تو ہم کیسے سمجھیں گے کہ بنیان مرصوص کسے کہتے ہیں۔ مومن کی مثال حضورؐ نے جسد واحد سے دی ہے کہ ایک عضو کو اگر تکلیف ہو تو پورا جسم اسکی تلخی اور بے چینی محسوس کرتا ہے۔ یہ کیفیت صرف زبانی خیریت پوچھ لینے سے نہیں پیدا ہو سکتی اسی طرح عفو و درگزر تواضع اور خاکساری اللہ کے نیک بندوں کی صفت ہوتی ہے۔ ان کا پرتو ہمارے اندر آنا چاہئیے۔ ہماری حیثیت کیا ہے ہم نے چونکہ کسی پہلوان کو نہیں دیکھا، کسی رئیس سے ملاقات نہیں ہوئی اسی وجہ سے ہم اپنے کو بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ یاد رکھئے ہمارے حوالے ایک نسل کی گئی ہے اور ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ اس نسل کو خیر دین کے مطابق تیار کریں گے۔ اگر کوتاہی ہو رہی ہے اور ہم سے بڑھ کر ہماری کوتاہیوں سے کون واقف ہوگا بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ( ) تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہئیے۔ مجلس عاملہ اور انتظامیہ کے اختیارات تو بہت کچھ ہو سکتے ہیں لیکن کردار سازی اصلاً آپ کا کام ہے۔



دوسری آخری قسط

## لکھ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا

# حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی

(ابو اللسان لغوی)

سفر میں جا بجا تتلیوں کے غول در غول نظر آئے۔ رب کائنات نے تو تتلیوں کو بھی با پردہ و با سلیقہ پیدا کیا ہے مگر یہ مصنوعی تتلیاں تو تقریباً بے تکلف سے بری تھیں، وہ بے خوف و خطر ہر چہار جانب دندناتی پھرتی ہیں۔ سوا پیرے غیر مرد سے کمر پر ہاتھ رکھے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے لہک لہک کر گفتگو کرتیں، آزادی نسواں کا مظاہرہ جگہ جگہ دیکھنے کو ملا۔ ہماری پریشانی یہ سوچ کر دو آتشہ ہو جاتی کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرانے نہ لگے، بایں طور کہ سفر بمبئی کا ہے تمانہ نازک اداؤں بھی سر سو بکھری پڑی ہیں نیز مولوی کا بدبدا بھی شریک سفر ہیں۔

بمبئی میں ہم کیا دیکھتے بقول کسے بمبئی میں کسی معقول آدمی کیلئے کچھ نہیں ہے۔ معقول تو خاکسار بھی نہیں ہے۔ مگر اس سفر میں صحبت معقولان نے معقول ہی کر دیا تھا البتہ مولوی بدبدا کو نامعقول ہونے سے — سوائے خدا کے — کون بچاتا — ادھر ایک ننھا سا اشکال یوں سر ابھارتا ہے کہ سیکڑوں اور ہزاروں مولوی حضرات بھی تو بمبئی سے وابستہ ہیں۔ خصوصاً ماہ رمضان میں انکی معقولیت بھی خطرے میں نظر آتی ہے۔ جواب میں عرض یہ ہے کہ جس کسی نے بھی خاکسار کے کالم "مجھے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے" کا مطالعہ کر رکھا ہوگا اس کے ذہن میں ایسا نامعقول سوال ہرگز نہ ابھریگا۔

حکیم صاحب کا اصرار تھا کہ میاں لغوی چلو تمہیں گیٹ آف انڈیا دکھا دیں۔ سمندر کا کنارہ، نشاط افزا ہوائیں بڑا پر کیف سماں ہوتا ہے۔ میں نے حامی بھر لی مگر مجھے کیا

معلوم تھا کہ وہاں فطری مناظر میں غیر فطری عناصر نے پیوندکاری کر رکھی ہے۔ گیٹ آف انڈیا کے قریب پہونچ کر بھی ہم اس سے بہت دور تھے۔ ہمارے چاروں طرف رنگ برنگی تتلیوں کے غول در غول تھے۔ فطری مناظر دیکھنے کی ہم نے بارہا کوشش کی مگر ہر بار ہم ان غیر فطری مناظر کے علاوہ کچھ نہ دیکھ سکے —— ہم عجیب دلدل میں پھنسے تھے آگے بڑھنا بھی مشکل اور پیچھے ہٹنا بھی محال۔ ہم پھونک پھونک کر قدم آگے بڑھا رہے تھے کہ سامنے ایک جوڑا آپہنچا سرِ راہ وہ ایک دوسرے کو چوم رہے تھے —— میں چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ مگر نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن —— میں نے گھبرا کر نظریں ساحل سمندر پہ ڈال دیں۔ ساحل پر ریت ہی ریت بکھرا پڑا تھا۔ نظریں سنبھلیں تو اوسان لڑکھڑانے لگے۔ یا یوں کہئے تاڑ سے گرے کھجور پہ اٹکے ان گنت جوڑے ریت پہ دھوپ کا ننگا غسل کر رہے تھے۔

ذہن و دماغ کے تکدر کو دور کرنے کے ظاہری سہارے کے طور پر عطر کی ضرورت تھی۔ حکیم صاحب نے فرمایا مشہور زمانہ عطر فروش انشاء اللہ ماشاء اللہ بھی یہاں سے قریب ہی ہیں۔ دوکان میں گھستے ہی یقیناً دل و دماغ معطر ہو گیا۔ دوکاندار نے عطر گلاب تحفے میں دیا جس سے مزید فرحت میسر آئی۔ ابھی اسی نشاط کے مزے ہم لوٹ رہے تھے کہ دو چار برقع پوش خواتین دوکان میں گھس آئیں۔ برقع پوش سے زیادہ مناسب لفظ ان کے لئے برقع گشتہ تھا —— حسب دستور وہ حجاب رخ زیبا کے تکلف سے عاری تھیں۔ دوکاندار ان سے عربی میں بات کرنے لگا۔ وہی بازاری عربی جسے سمجھنے میں عربی ادب کے ماہرین کو بھی تامل ہو —— خواتین بھی لہک لہک کر باتیں کر رہی تھیں۔ پتہ چلا کہ یہ دبئی کی رہنے والی ہیں۔ اور عطر کی تجارت بھی کرتی ہیں۔

وہاں سے نکلے تو لوکل بس کی سواری نصیب ہوئی بس میں سوار ہونا بھی کسی معرکے سے کم نہیں۔ بسوں میں بھی صنف نازک کا ہی قبضہ نظر آیا۔ لوکل ٹرین کی سواری کا بھی موقع ملا۔ ٹرین کا سفر تو بس کے سفر سے بھی دو قدم آگے تھا۔ اچانک



ٹرین کا چل پڑنا اور صنف نازک کا جوش و خروش دونوں چیزیں حد درجہ خطرناک معلوم ہوئیں —— لوکل ٹرین میں سوار ہوتے ہی نظر دروازے کے اوپر جلی حروف میں یہ کندہ تھا "اسقاط حمل صرف سو روپئے میں" —— میں نے لاحول پڑھی —— جھینپ کے نظر پھیری تو داہنی جانب ایک خاتون مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں —— گھبرا کر بائیں جانب رخ کیا تو دوسری مجھے گھور رہی تھیں —— پیچھے مڑا تو وہاں کئی اسی حرکت کی مرتکب تھیں۔ میں حیران ہوا کہ کہیں یہ زنانہ ڈبہ تو نہیں۔ مگر پھر تسلی ہوئی کہ خال خال مرد بھی نظر آ رہے تھے۔

غض بصر تو بہت آسان چیز ہے مگر بمبئی پہونچ کر یہ حد درجہ مشکل ثابت ہوئی —— غض بصر کی کوشش میں بعض اوقات رکشہ ٹیکسی اور بس سے ٹکراتے ٹکراتے بچا بلکہ بعض دفعہ تو دیوار سے ٹکرانے کی نوبت بھی آئی —— زہے نصیب ایک دن صوفی تمکین سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے عرض کیا حضرت "بمبئی میں غض بصر کیوں اور کیسے" کے عنوان پر آپ کا کیا فتویٰ ہے۔ پہلے تو وہ مسکرائے پھر گویا ہوئے پہلے ایک واقعہ سنو۔ ایک مولوی صاحب تھے بڑے نیک اور بڑے شریف۔ وعظ و تلقین ان کا شیوہ تھا۔ آئے دن کسی نہ کسی عنوان پر وہ لوگوں کو نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ تقریر کر رہے تھے۔ دوران تقریر نواقض وضو کا ذکر آ گیا —— انہوں نے نواقض کی فہرست میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی شخص کی نظر عورت کے جسم پر پڑ جائے بشرطیکہ وہ برہنہ ہو یا نیم برہنہ تو اس شخص مذکور کا وضو ٹوٹ جاتا ہے —— ایک عورت مولوی صاحب کی تقریر سن رہی تھی۔ اسے بہت تکلیف ہوئی۔ اس نے دل میں طے کیا کہ میں مولوی صاحب سے اس کا بدلہ ضرور لوں گی —— مولوی صاحب کے گھر اور مسجد کے درمیان عورت کا گھر واقع تھا۔ ایک دن مولوی صاحب گھر سے وضو کر کے مسجد جا رہے تھے۔ عورت تاک میں بیٹھی تھی۔ مولوی صاحب جیسے ہی اس کے گھر کے پاس آئے وہ نیم برہنہ ہو کر ایک طرف سے دوسری طرف نکل گئی۔ مولوی صاحب نے دیکھا اور مسجد روانہ ہو گئے۔

نماز ادا کر کے جب وہ واپس ہوئے تو اس عورت نے مولوی صاحب کا راستہ روکا اور کہنے لگی۔ آپ نے تقریر میں کہا تھا کہ عورت کے برہنہ یا نیم برہنہ جسم پر نظر پڑنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ نے مجھے دیکھا مگر آپ کا وضو نہیں ٹوٹا۔ مولوی صاحب نے جواب دینے کے بجائے عورت سے کہا "جاؤ میرے گھر سے سوئی مانگ لاؤ" عورت فوراً مولوی صاحب کے گھر بھاگی۔ مولوی صاحب کا گھر اندر سے بند تھا۔ عورت نے باہر خوب شور مچایا مگر دروازہ نہیں کھلا۔ وہ شور مچاتی جاتی اور چیختی جاتی کہ مولوی صاحب نے سوئی مانگی ہے۔ مگر دروازے پر کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ کافی دیر بعد دروازے کے سوراخ سے سوئی باہر کر دی گئی۔ عورت نے اسے لیا اور مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ مولوی صاحب تاخیر کی وجہ بھانپ گئے تھے۔ چھوٹتے ہی بولے وہ عورتیں عورتیں ہیں انہیں دیکھنے سے وضو ٹوٹتا ہے تمہیں نہیں

---

صوفی تمکین واقعہ سنا کر بولے میاں تمہاری بمبئی کی عورتیں عورتیں نہیں جنس ہیں اور جنس پر غض بصر نہیں کیا جا سکتا۔ اب میں سمجھ میں آیا کہ وہ چار دن سے مولوی بن کر ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہے غالباً وہ صوفی تمکین کے اسی فتوے پر عمل پیرا تھے۔

بمبئی میں بے شمار چیزیں مجھے خطرناک نظر آئیں جن میں سے بعض کا تذکرہ مستقل کالم چاہتا ہے مثلاً راستہ پار کرنا۔ نشہ کرنے والوں کا فٹ پاتھ پر اکٹھا ہونا پلیوں کا چوہوں سے ڈرنا، دوران سفر کسی خاتون کا دھکا دے کر بغل میں آکر بیٹھ جانا اس کے علاوہ قیام کی پریشانی کا یہ حال ہے کہ اگر باشندگان بمبئی قبر دیکھیں تو شاید اسکی کشادگی پر انہیں رشک آئے۔ مساجد کا حال یہ ہے کہ وہاں مصلیان کم حوائج ضروریہ سے فراغت کے طالبین زیادہ نظر آتے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے بقول کسے

صحن مسجد میں ایک دو حاجی
دین کی تکمیل کرنے آئے ہیں
صف چرا کر جو لے گئے تھے کبھی
اس کو تبدیل کرنے آئے ہیں

بقیہ ۱۸ صفحہ پر



# غزل

ادریس ضیا رکلا تھ مارکیٹ

یوں ہی مات کھاؤں گا میں مات پر
مذمت کروں وقت کے ہاتھ پر
نہ جانے گھروں کی خبر لی گئی
ہوئے تبصرے روز برسات پر
سنا ہے کہ نیلام کر کے ضمیر
بہت خوش ہوئے لوگ خیرات پر
لبوں کی ہنسی قتل کر بھی۔ چکا
اڑا ہے وہ اب جانے کس بات پر
یہ فن ہم نے سیکھا ہے اجداد سے
ہے پاؤں میں خار اور گل ہاتھ پر
نہیں دوستی اس کی مہنگی پڑی
وہ آہی گیا اپنی اوقات پر
کفن دن کا اس کو پہنا پڑا
گیا وار سورج نے جب رات پر
ہنسی سب کے لب پر ضروری نہیں
ضیا منحصر ہے حالات پر

# غزل

شفیع اللہ خاں راز

داغ ظلمت مٹا کے دیکھ ذرا
زندگی جگمگا کے دیکھ ذرا
بھول جائے گا عشرت دنیا
غم کے ماروں کو آ کے دیکھ ذرا
لمحہ لمحہ ہے زندۂ جاوید
زندگانی بنا کے دیکھ ذرا
نامکمل ہیں کتنے منصوبے
فائلوں کو اٹھا کے دیکھ ذرا
لوگ بن جائیں بندۂ بے دام
دل سے اپنا بنا کے دیکھ ذرا
بستی بستی لگا رہا ہے آگ
اپنا گھر بھی جلا کے دیکھ ذرا
مشکلوں کے پہاڑ کٹ جائیں
حوصلہ آزما کے دیکھ ذرا
اڑنے والوں پہ خوف طاری ہے
راز تیور ہوا کے دیکھ ذرا

# حلقۂ یاراں

مدیر عزیز القدر جناب محمد اسمٰعیل فلاحی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

عرض خدمت ہے کہ "حیاتِ نو" مئی جون ۲۰۰۶ء کا شمارہ نظر سے گزرا۔ یوں تو اس کے اکثر مضامین اپنی جگہ اہم ہیں، لیکن اداریہ "یہ تھے مربی" اور مولانا سید جلال الدین عمری صاحب کا خطاب "جو ہو عزم سفر پیدا" خصوصی اہمیت کے حامل ہیں جن امور کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے جن کی دینی اداروں میں بڑی کمی تھی۔ ایک معلم اور مربی کیلئے طلبہ کے حق میں شفیق ومہربان ہونا اور اس کا صاحب کردار ہونا طلبہ کی صحیح تربیت کے لئے بیحد ضروری ہے۔

اس وقت ہمارے ملک میں دینی مدارس ومکاتب کی کوئی کمی نہیں ہے اور ان میں دن بہ دن اضافے کا سلسلہ بھی برابر جاری ہے، جو یقیناً خوشی کی بات ہے۔ ان مدارس میں قابل ترین معلموں کی بھی کمی نہیں ہے۔ تفسیر وحدیث، فقہ وتصوف، عقائد وکلام فلسفہ ومنطق، تاریخ وجغرافیہ، زبان وادب، صرف ونحو، معانی وبلاغت، ریاضی وفلکیات علم الابدان وعلم الادیان، تقریر وخطابت، انشاء وصحافت، تجوید وقرأت، شعر وشاعری غرض ہر فن کے ماہرین وکاملین بڑی تعداد میں یہاں ہمیں ملیں گے۔ مگر افسوس کہ اگر کمی ہے تو صرف ایسے معلموں اور مربیوں کی جو طلبہ کے حق میں بیک وقت مشفق ومہربان بھی ہوں اور حسن عمل کا نمونہ بھی۔

لائق وفائق اساتذہ سے فیضیاب ہونے والے طلبہ دنیائے علم میں تو اونچا مقام پیدا کر لیتے ہیں، لیکن قوم وملت کے دلوں میں گھر نہیں بنا سکتے۔ مستند ومعتبر درسگاہوں کے فارغین آسمان علم کے تارے تو توڑ لاتے ہیں، مگر زمین کے باسیوں کیلئے ان کے پاس



ایمان ویقین کا کوئی پیغام نہیں ہوتا، میدان علم میں ہر طرح کی ترقیوں کے باوجود ان کی زندگیاں حرارت دینی وحلاوت ایمانی سے بہت حد تک عاری ہوتی ہیں۔ حقیقت میں یہ نتیجہ ہے تربیت کی طرف مناسب توجہ کی کمی کا۔

دینی مدارس کے قیام کا مقصد ہی طلبہ کو دولت علم کے ذریعہ زیور تربیت سے آراستہ کرنا ہے، تعلیم دراصل تربیت کیلئے زینہ اور ذریعہ ہے۔ تربیت کے بغیر محض علم کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ قدر وقیمت ایسے طلبہ کی حیثیت ان ناتراشیدہ ہیروں سے مختلف نہیں ہے، جن کی بازار میں مانگ نہیں ہوتی۔ جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو وہ سوکھی نہر اور بے برگ وثمر درخت ہے، جس کی نہ کوئی اہمیت ہوتی ہے اور نہ اس سے کوئی فیضیاب ہو سکتا ہے۔

ہماری یہ دینی درسگاہیں حقیقت میں تربیت گاہیں ہیں جو بدقسمتی سے صرف تعلیم گاہیں بن کر رہ گئی ہیں یہاں ملت کے سپوت سیرت سازی اور دلوں کو نور ایمان سے منور کرنے کی غرض سے آتے ہیں، لیکن وہ صرف علوم سے بہرہ ور ہو کر اور محض دماغ کو روشن کر کے واپس ہو جاتے ہیں۔ کاش اس حقیقت سے وہ آشنا ہو سکتے کہ

نگہ کی منزل مقصود مہر وماہ نہیں<br>
یہ جلوہ گاہ کے پردے ہیں، جلوہ گاہ نہیں

ہمارے اداروں کے سرپرستوں نے محض اداروں کے نظم ونسق اور قوانین وضوابط کی پابندی کرانے ہی کو حقیقی تربیت سمجھ لیا ہے۔ یہ باتیں بھی اپنی جگہ اہم ہیں، مگر تربیت کیلئے یہی کافی نہیں ہیں۔ تربیت کے بنیادی اصول (یعنی اساتذہ کا مشفق اور صاحب کردار ہونا) کو نظر انداز کر کے بہتر اور مفید نتائج کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ آج کے بہت سارے مدارس میں طلبہ کا ذہنی انتشار، اساتذہ کے احترام میں کمی اور باغیانہ رجحانات وغیرہ تربیت کی صحیح کوشش سے صرف نظر کر لینے کا نتیجہ ہیں۔ اساتذہ خود کو سخت گیر حکمراں ثابت کرنے کے بجائے مشفق ومہربان سرپرست کی حیثیت سے پیش

کریں تو یقیناً طلبہ کے دلوں میں انکی عزت و عظمت کا احساس بڑھ جائیگا۔ بیجا سختی و سخت گیری، غیر مشفقانہ رویہ، بات بات پر ڈانٹ ڈپٹ، سخت سزائیں، ان کی عزت نفس کی پامالی، ان کے جذبات و احساسات کو مجروح کرنا، یہ سب باتیں طلبہ کے اندر نفرت کے جذبات کو جنم دینے والی اور دلوں میں بغاوت کے بیج بونے والی ہیں۔

ایک عالمی شہرت رکھنے والے درندوں کے "ٹرینر" سے پوچھا گیا کہ وہ ان سرکش اور وحشی جانور کو کس طرح رام کر لیتا ہے تو اس نے بتایا کہ "میں ان پر صرف سختی ہی نہیں کرتا بلکہ ان سے محبت و شفقت کا برتاؤ بھی کرتا ہوں اور اپنے رویے سے ان کو یقین دلانے کی کوشش کرتا ہوں کہ میں ان کا ہمدرد اور بہی خواہ ہوں۔ مثلاً جب کبھی کوئی سختی کرنی پڑتی ہے تو تھوڑی دیر بعد ان کے پاس پہنچ کر ان کو چمکارتا اور ان کے سر اور گردن پر دیر تک ہاتھ پھیرتا رہتا ہوں، اس طرح وہ وحشی بہت جلد رام ہو جاتے ہیں"۔ اس واقعے میں یہ سبق ہے کہ وحشی درندوں تک کو شفقت و محبت کی راہ سے مانوس اور مطیع کیا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید نے جہاں بندوں کی غلط کاریوں پر ان کو "عذاب الیم" سے ڈرایا ہے وہیں رافت و شفقت کے یہ شہد آگیں بول بھی دلوں میں اتارے ہیں کہ "ان کا رب معاف کر دینے والا اور انتہائی مہربان بھی ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ارشاد ہوتا ہے کہ "آپ اپنے ساتھیوں کے حق میں سخت گیر اور نامہربان ہوتے تو یہ آپ سے کنارہ کش ہو جاتے"۔

ایک استاد کا مشفق ہونا جس طرح ضروری ہے، اسی طرح اس کا صاحب کردار ہونا بھی بیحد ضروری ہے کیونکہ طلبہ کی نظر اپنے استادوں اور مربیوں کی ایک ایک حرکت پر مرکوز ہوتی ہے۔ انکی اچھائیاں اور خوبیاں طلبہ پر ضرور اثر انداز ہوتی ہیں۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں مدیر "اردو ڈائجسٹ" لاہور نے پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب محمد علی چودھری سے ایک انٹرویو کے دوران پوچھا تھا کہ آپ کے طلبہ میں نمازوں کا یہ ذوق و شوق کس طرح پیدا کیا جاتا ہے، کیا وعظ و نصیحت یا قانون کا یہ نتیجہ ہے؟ موصوف نے جواب میں کہا کہ "نہ یہ کسی



قانون کا نتیجہ ہے اور نہ ہم نمازوں کے سلسلے میں کبھی وعظ و نصیحت یا باز پرس کرتے ہیں، بلکہ میں اور میرے رفقائے کار نمازوں کا سختی سے التزام کرتے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر ہمارے طلبہ بھی خود بخود مسجد میں پہنچ جاتے ہیں۔ اساتذہ کو طلبہ کے سامنے ایک اچھا نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ اس کے حیرت انگیز نتائج سامنے آتے ہیں"۔

پھر چودھری صاحب نے مثال کے طور پر ایک واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ ہاسٹل کی نالیاں صاف نہیں ہیں۔ وارڈن نے بتایا کہ صفائی کرنیوالا کچھ دنوں سے بیمار ہے۔ موصوف نے کہا کہ طلبہ سے صفائی کرالی ہوتی ۔۔ دو ایک دن بعد نالیوں کو اسی حالت میں دیکھکر وارڈن سے پوچھا۔ جواب ملا کہ طلبہ اس کام کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ چودھری صاحب نے فوراً صفائی کا سامان منگوایا اور خود ہی نالی میں اتر گئے۔ یہ دیکھ کر آس پاس جو اساتذہ تھے وہ بھی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ پھر ہاسٹل کے طلبہ نے دیکھا تو سارے ہی دوڑ پڑے اور نالیوں کی صفائی میں لگ گئے۔ موصوف نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "جھوٹا وقار اسی طرح ٹوٹ سکتا ہے۔ اس واقعے کے بعد سے کوئی ایسی رپورٹ موصول نہیں ہوئی کہ کسی طالب علم نے اس قسم کے کاموں پر ناک بھوں چڑھائی ہو"۔

یہاں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اگر چودھری صاحب نے اپنے ہاتھ میں جھاڑو پکڑنے کے بجائے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر طلبہ کو جھاڑو پکڑنے کا حکم صادر کیا ہوتا تو یقیناً نہایت ہی ناخوشگوار صورت حال جنم لیتی۔

خط کافی طویل ہو گیا ہے، بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ یہاں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اپنے طویل مشاہدات و تجربات کا خلاصہ ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے مجلہ میں اسے شائع فرما دیں۔ ممکن ہے ہمارے مدارس کے ذمہ داران و متعلقین کسی حیثیت سے ان گذارشات کو قابل اعتنا سمجھیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حبیب الرحمٰن اعظمی
۲۲ جولائی ۱۹۹۶ء
مدیر راہ اعتدال عمر آباد

محترمی و مخدومی ایڈیٹر ماہنامہ "حیات نو"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

توقع ہے کہ آپ ہمکنارِ عافیت ہوں گے۔

حیات نو ماہ جولائی کا شمارہ نظر کے سامنے ہے مضامین معیاری ہیں البتہ کاغذ کا معیار کچھ گرا ہوا ہے۔

اداریہ خوب رہا تاہم کچھ چھوٹا ہو گیا۔ یقین جانئے، مصروف اوقات میں بھی صرف آپ کا اداریہ پڑھنے کیلئے "حیات نو" اٹھا لیا جاتا ہے۔ جناب محمد انیس فلاحی نے "تحقیق کا علمی انداز و اسلوب" کے موضوع سے جو سلسلہ شروع کیا تھا، وہ بھی خوب رہا۔ موصوف قابل مبارکباد ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ بھی ایسی ہی منفرد اور مفید چیزیں پیش کریں گے۔

محترمہ پروین کوثر صدیقی کا مضمون لائق غور ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مسلمانوں کو عقل بہت دیر سے آتی ہے۔ لیکن یہ بھی کیا کم ہے کہ انہیں فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن ان لوگوں کو کیا کہا جائے جو ایسے مشورے عنایت کرتے ہیں جس سے انکی لگام اوروں کے ہاتھوں میں چلی جائے اور فیصلہ کرنے کا اختیار بھی چھن جائے۔ کوشش تو اس بات کی ہونی چاہیئے کہ اردو کو زیادہ سے زیادہ عام کریں کیونکہ اردو صرف اور ی زبان ہی نہیں بلکہ اسی میں مسلمانوں کے فن و ادب اور دین و ثقافت کا قیمتی سرمایہ موجود ہے۔ محترمہ کو "کچھ نہیں سے کچھ بھلا" (Somthing Better Than Nothing) کا فلسفہ بھی شاید نہیں معلوم ہے۔

قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ خاص طور سے جناب سید حامد جو مسلمانوں میں تعلیمی بیداری و ترقی کیساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں۔ یہاں معاملہ محبت و نفرت کا نہیں، ضرورت پڑنے پر ہندی کی طرح Hindi Medium میں تعلیم دیجائے گی جو بین الاقوامی زبان ہونے کیساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ ہاں، اردو میڈیم میں تعلیم کا یہ مطلب نہیں لیا جانا چاہیئے کہ انگریزی اور ہندی نہ پڑھائی جائے۔ محترمہ کا یہ مشورہ بہت اچھا ہے کہ طلبہ کو عصری علوم بھی پڑھائے جانے چاہئیں۔ اور بھی پہلو ہیں، خط میں تمام کو ذکر کیا کرنا

بقیہ: صفحہ ۱۹ پر



# جامعہ کے لیل و نہار

محمد اسمٰعیل فلاحی

## اجلاس میں شریک ہونیوالے مہمانان گرامی

انجمن طلبہ قدیم کے اجلاس عام اور سمینار میں شرکت کے لئے جو معزز اکابر اور اہل علم تشریف لا رہے ہیں، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ علامہ یوسف القرضاوی صاحب قطر ۲۔ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۳۔ مولانا محمد سراج الحسن صاحب امیر جماعت اسلامی ہند۔ ۴۔ مولانا جلال الدین عمری صاحب نائب امیر جماعت اسلامی ہند و ناظم جامعۃ الفلاح ۵۔ مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف) ۶۔ جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری صاحب ریکٹر جامعہ سلفیہ بنارس ۷۔ جناب ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی صاحب (صدر ادارہ ادب اسلامی ہند) ۸۔ جناب مولانا ابوالبیان حماد عمری صاحب استاذ جامعہ دارالسلام عمرآباد ۹۔ جناب حفیظ میرٹھی ۱۰۔ جناب مائل خیرآبادی ۱۱۔ جناب ڈاکٹر فاروق احمد صاحب (ہمالیہ ڈرگس) ۱۲۔ جناب شاکر تسلیم صاحب میرٹھی ۱۳۔ جناب کوثر یزدانی صاحب ۱۴۔ جناب قمر الہدیٰ صاحب امیر حلقہ جماعت اسلامی ہند بہار ۱۵۔ جناب پرواز رحمانی صاحب مدیر سہ روزہ دعوت دہلی ۱۶۔ جناب فضل الرحمٰن فریدی صاحب مدیر ماہنامہ زندگی نو دہلی۔ ۱۷۔ جناب پروفیسر عبدالحق انصاری صاحب ۱۸۔ مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ۱۹۔ جناب مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی ۲۰۔ جناب پروفیسر عبدالباری صاحب ۲۱۔ جناب راشد ندوی صاحب ۲۲۔ یٰسین مظہر صدیقی صاحب ۲۳۔ جناب پروفیسر اقتدار حسین صدیقی صاحب ۲۴۔ جناب ڈاکٹر عبدالعظیم صاحب اصلاحی۔ ۲۵۔ جناب راحت ابرار صاحب۔ ۲۶۔ محترمہ طیبہ ام سعد صاحبہ ناظمہ ...

حلقہ اتر پردیش ۲۷ محترمہ بازغہ تبسم صاحبہ ۲۸ ڈاکٹر شہناز بیگم صاحبہ ۲۹ ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری صاحبہ ۳۰ انجمن آرا انجم صاحبہ ۳۱ سطوت ریحانہ صالحاتی صاحبہ ۳۲ ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی صاحب ۳۳ جناب ابوالمجاہد زاہد صاحب ۳۴ جناب انتظار نعیم صاحب ۳۵ جناب تابش مہدی صاحب ۳۶ جناب کیف ٹوگانوی صاحب ۳۷ تمکین آفاقی صاحب ۳۸ جناب وقار کیفی صاحب ۳۹ جناب اقبال مخلص صاحب

## سعید اختر فلاحی امتیازی نمبروں سے کامیاب

سعید اختر فلاحی ابن جناب فرید الدین صاحب فلاحی

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں بی اے آنرز اردو سال اول کے طالب علم ہیں، انہوں نے اپنے اصل مضمون اردو میں ۸۰٪ فیصد نمبرات حاصل کر کے نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔

---

بقیہ:۔ قرآن مجید میں مذکورہ اصنام

۱۔ المصحف المیسر ص۶۹۰

۲۔ المجلد الثانی من التفسیر ص۱۶۱۹

۳۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب دوسرے بتوں کے بالمقابل عزیٰ اور ہبل پر زیادہ فخر کرتے تھے۔ اس لئے کہ میدان جنگ میں انہیں کا نعرہ پڑھتے جیسے بولتے تھے مثلاً کہتے ہیں۔

لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم واعل ھبل۔ اور ان کے بالمقابل مسلمان ان کا جواب اس طرح دیتے اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم واللہ اعلیٰ واجل

۴۔ المصحف المیسر ص۳۰۰